Version No.			

ROLL NUMBER						

Answer Sheet No.____________

Sign. of Candidate ___________

Sign. of Invigilator ___________

اردو(لازمی) برائے گیارہویں جماعت (2nd Set Solution)

ماڈل سوالیہ پرچہ (کریکلم 2006ء)

حصہ اوّل (کل نمبر:20، وقت:25 منٹ)

حصہ اول لازمی ہے۔ اس کے جوابات اسی صفحہ پر دے کر ناظم مرکز کے حوالے کریں۔ کاٹ کر دوبارہ لکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ **لیڈ پنسل کا استعمال ممنوع ہے۔**

سوال نمبر1: ہر جزو کے سامنے دیے گئے درست دائرہ کو پر کریں۔

(1) کنایہ کے کتنے اجزا ہوتے ہیں؟

(A) ایک ○ (B) دو ○

(C) تین ○ (D) چار ○

(2) "پتھر کو گوہر کہہ کہہ کر بدتر کو بہتر کہہ کہہ کر" اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(A) تلمیح ○ (B) تکرار ○

(C) لف ونشر ○ (D) تضمین ○

(3) کرداروں کی حرکات وسکنات اور مکالموں کے ذریعے پیش کی جانے والی کہانی کو کیا کہتے ہیں؟

(A) ناول ○ (B) افسانہ ○

(C) سفرنامہ ○ (D) ڈراما ○

(4) "چائے چولہے پر رکھی ہے۔" یہ جملہ کس کی مثال ہے؟

(A) تشبیہ ○ (B) کنایہ ○

(C) مجاز مرسل ○ (D) استعارہ ○

(5) وہ تمام الفاظ جو فعل کے معنوں کی وضاحت کریں، کیا کہلاتے ہیں؟

(A) فعل ناقص ○ (B) متعلق فعل ○

(C) فعل تام ○ (D) معاون فعل ○

(6) "ایک سب آگ، ایک سب پانی   دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں" اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(A) صنعت ابہام ◯   (B) صنعت مراعاۃ النظیر ◯
(C) صنعت تضمین ◯   (D) لف و نشر ◯

(7) غیر رسمی خطوط کس کو لکھے جاتے ہیں؟

(A) عزیز و اقارب کو ◯   (B) اخبار کے مدیر کو ◯
(C) سرکاری افسر کو ◯   (D) دفتری ملازمین کو ◯

(8) ایسی نظم کو کیا کہتے ہیں جس میں فتنہ و فساد، کسی شہر کی یا ملک کی سیاسی و اقتصادی تباہی کا ذکر ہو؟

(A) مرثیہ ◯   (B) رباعی ◯
(C) شہر آشوب ◯   (D) قصیدہ ◯

(9) "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی" اس میں استعمال ہونے والی صنعت ہے؟

(A) صنعت تلمیح ◯   (B) صنعت لف و نشر ◯
(C) صنعت تکرار ◯   (D) صنعت تضاد ◯

(10) "بعض ڈرائیور احتیاط سے گاڑی چلاتے ہیں۔" اس جملے میں متعلق فعل کیا ہے؟

(A) بعض ڈرائیور ◯   (B) احتیاط سے ◯
(C) گاڑی ◯   (D) چلاتے ہیں ◯

(11) تشبیب کس صنفِ شاعری کا ایک اہم حصّہ ہے؟

(A) قصیدہ ◯   (B) مثنوی ◯
(C) منقبت ◯   (D) شہر آشوب ◯

(12) "بڑی مچھلی، لوٹا، پنڈی ایکسپریس" قواعد کی رو سے کس کی مثالیں ہیں؟

(A) کنایہ ◯   (B) مجاز مرسل ◯
(C) سلینگ الفاظ ◯   (D) محاورہ ◯

(13) قواعد کی رو سے کس میں حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جاتا ہے؟

(A) کنایہ ◯   (B) مجاز مرسل ◯
(C) استعارا ◯   (D) محاورہ ◯

(14) "اس نے کھانا کھالیا۔" اس جملے میں لفظ "لیا" کو قواعد کی رو سے کیا کہیں گے؟

(A) فعل ناقص ◯   (B) فعل مستقبل ◯
(C) فعل جاری ◯   (D) معاون فعل ◯

(15) سبب کہہ کر مسبب مراد لینا کو قواعد میں کیا کہتے ہیں؟

(A) کنایہ ◯   (B) مجاز مرسل ◯
(C) استعارا ◯   (D) تشبیہ ◯

(16) یہ کام آئیں نہ آئیں ہم انہی سے کام لیتے ہیں   "گلوں سے خار بہتر ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں" یہ کس صنعت کی مثال ہے؟

(A) صنعت لف و نشر ◯   (B) صنعت تضمین ◯
(C) صنعت تضاد ◯   (D) صنعت تجنیس ◯

(17) "اے التفات یار مجھے سوچنے تو دے جینے کا ہے مقام یا مرنے کا ہے محل" اس شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

(A) صنعت تضاد ◯ (B) صنعت حسن تعلیل ◯

(C) صنعت لف ونشر ◯ (D) مبالغہ ◯

(18) قواعد کی رو سے کسی لفظ سے ایک یا ایک سے زائد لفظ اخذ کرنا جب کہ ان کے درمیان لفظ اور معنی میں باہم نسبت ہو کو کیا کہتے ہیں؟

(A) اشتقاق ◯ (B) مرکب مصدر ◯

(C) تھیسارس ◯ (D) مجاز مرسل ◯

(19) تھیسارس یونانی زبان سے انگریزی میں آیا اور آج کل اس کا مطلب ہے:

(A) ذخیرہ الفاظ ◯ (B) سلینگ لفظ ◯

(C) ضرب الامثال ◯ (D) کہاوتیں ◯

(20) "چھلانگ لگانا۔ روٹی کھانا" قواعد کی رو سے کس کی مثالیں ہیں؟

(A) مرکب مصادر ◯ (B) فعل ناقص ◯

(C) مرکب عطفی ◯ (D) مرکب اضافی ◯

درست جوابات:

(1)	B	(2)	B	(3)	D	(4)	C
(5)	B	(6)	D	(7)	A	(8)	C
(9)	A	(10)	B	(11)	A	(12)	C
(13)	C	(14)	D	(15)	B	(16)	B
(17)	A	(18)	A	(19)	A	(20)	A

فیڈرل بورڈ امتحان برائے گیارہویں جماعت

اردو (لازمی) ماڈل سوالیہ پرچہ (کریکلم 2006)

وقت: 2:35 گھنٹے — کل نمبر: 80

نوٹ: حصہ دوم اور سوم میں دیے گئے سوالات کے جوابات علیحدہ سے مہیا کی گئی جوابی کاپی پر دیں۔ آپ کے جوابات صاف اور واضح ہونے چاہئیں۔

حصہ دوم (کل نمبر 48)

سوال نمبر 2: (الف) حصہ نثر:

عبارت پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے چھ کے مختصر جوابات لکھیں: (6 x 4 = 24)

جب تک انسانوں میں یہ خیال ہے کہ ہماری اصلاح و ترقی، گورنمنٹ پر یا قوم کے عمدہ انتظام پر منحصر ہے اس وقت تک کوئی مستقل اور برتاؤ میں آنے کے قابل نتیجہ اصلاح و ترقی کا قوم میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ گو کیسی ہی عمدہ تبدیلیاں گورنمنٹ یا انتظام میں کی جاویں۔ وہ تبدیلیاں فانوسِ خیال سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں، جس میں طرح طرح کی تصویریں پھرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں مگر جب دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ مستقل اور مضبوط آزادی سچی عزت اور اصلی ترقی شخصی چال چلن پر منحصر ہے اور وہی شخصی چال چلن قومی ترقی کا بڑا ضامن ہے جان اسٹیورٹ مل (John Stewart Mill) جو ایک بہت بڑا دانا حکیم گزرا ہے، کا قول ہے کہ "ظالم اور خود مختار حکومت بھی زیادہ خراب نتیجے نہیں پیدا کر سکتی۔ اگر اس کی رعایا میں شخصی اصلاح اور شخصی ترقی موجود رہے اور جو چیز کہ شخصی اصلاح و شخصی ترقی کو دبا دیتی ہے درحقیقت وہی شے اس کے لیے ظالم و خود مختار گورنمنٹ ہے پھر اس شے کو چاہو جس نام سے پکارو"۔ اس مقولہ پر میں اس قدر اور زیادہ کرتا ہوں کہ جہاں شخصی اصلاح و شخصی ترقی مٹ گئی یا دب گئی ہے وہاں کیسی ہی آزاد اور عمدہ گورنمنٹ کیوں نہ قائم کی جائے وہ کچھ بھی عمدہ نتیجے پیدا نہیں کر سکتی۔

انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ کوئی خضر ملے، گورنمنٹ فیاض ہو اور ہمارے سب کام کر دے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہر چیز ہمارے لئے کی جاوے اور ہم خود نہ کریں یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر اس کو ہادی و رہنما بنایا جاوے، تو تمام قوم کی دلی آزادی کو برباد کر دے اور آدمیوں کو انسان پرست بنا دے۔

سوالات:

i. اس عبارت کا خلاصہ لکھیں؟

جواب: کسی بھی قوم کی ترقی اور تہذیب کا دارومدار وہاں کی شخصی ترقی پر ہے نا کہ حکومت کے عمدہ انتظامات پر۔ مضبوط اور مستقل قومی ترقی عمدہ شخصی چال چلن اور برتاؤ پر منحصر ہے۔ مشہور دانشور جان اسٹورٹ مل کا خیال بھی یہی ہے کہ ظالم اور خود مختار حکمران بھی کچھ بگاڑ نہیں پیدا کر سکتا اگر وہاں کی عوام باشعور ہو۔ جو چیز شخصی ترقی و اصلاح کو ختم کر دیتی ہے وہی چیز اس کے لیے ظالم اور خود مختار حکومت ثابت ہوتی ہے۔ مصنف اس خیال میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جہاں شخصی اصلاح اور ترقی ختم ہو جاتی ہے وہاں کتنی ہی اچھی حکومت قائم ہو جائے اس سے کبھی بھی بہتر نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔

ii. اس عبارت کا مرکزی خیال لکھیے۔

جواب: اس عبارت میں مصنف نے قومی اور ملکی ترقی کا دارومدار کسی قوم کی شخصی محنت اور شخصی ترقی کو قرار دیا ہے۔ کسی قوم پر چاہے کتنی ہی عمدہ حکومت نافذ کر دی جائے اگر وہاں کے لوگوں میں خود اپنی مدد آپ کا جذبہ نہیں ہو گا تو وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی ہے۔ متن میں اس مرکزی خیال کو مصنف نے دانشوروں کے اقوال سے بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

iii. گورنمنٹ میں کی جانے والی تبدیلیاں کیوں فانوسِ خیال کا درجہ رکھتی ہیں؟

جواب: مصنف کے خیال کے مطابق اگر قوم میں شخصی اصلاح اور ترقی موجود نہ ہو تو چاہے کیسی ہی عمدہ حکومت قائم کر دی جائے، وہ فانوس خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی جس میں اگرچہ طرح طرح کے رنگ دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ ایک سراب یا فریب سے زیادہ کچھ درجہ نہیں رکھتی۔

iv. کوئی بھی عمدہ گورنمنٹ بہترین نتائج کیوں پیدا نہیں کر سکتی؟

جواب: کوئی بھی حکومت اس وقت تک بہتر نتائج پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کی عوام میں اپنی مدد آپ اور شخصی اصلاح و ترقی کا جذبہ موجود نہ ہو۔ اگر رعایا کا شخصی چال چلن درست ہو تو وہ ظالم اور خود مختار حکمران کو بھی راہِ راست پر لے آتی ہے جب کہ اس کے برعکس اگر عوام اپنی مدد آپ اور محنت وجدوجہد کے جذبے سے عاری ہو تو کچھ ہی عرصے میں وہ بہتر سے بہتر حکومت کو بھی اپنے جیسا بنا لیتی ہے۔

v. "کوئی خضر ملے" سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

جواب: "کوئی خضر ملے" سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ قومی ترقی، قومی جدوجہد، قومی تربیت اور محنت ومشقت کی بجائے ہماری عوام کا یہ خیال ہے کہ ہم کاہلی وسستی پر مائل رہتے ہوئے عیش وعشرت میں پڑے رہیں اور کوئی ایسی فیاض حکومت آجائے جو ہمارے سب کام کر دے ہمیں خود کچھ نہ کرنا پڑے بلکہ ہمارے تمام مسائل حکومت ہی حل کرے اور ہمیں کچھ بھی نہ کرنا پڑے۔

vi. اپنے الفاظ میں واضح کریں کہ "ہر چیز ہمارے لئے کی جاوے اور ہم خود کچھ نہ کریں"۔

جواب: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ایک کاہل اور سست عوام بس یہ چاہتی ہے کہ کوئی ایسی جادوگر حکومت آجائے جو ایک منتر پڑھے اور ان کے تمام مسائل حل ہو جائیں۔ رعایا کو خود کچھ نہ کرنا پڑے بلکہ من وسلویٰ کی طرح ان کی ضرورت کی ہر شے انہیں حکومت کی جانب سے میسر ہو جائے اور اس انداز سے ان کی زندگی میں سکون و آرام کی ہمہ وقت فراوانی رہے۔

vii. جان اسٹیورٹ مل نے اپنی مدد آپ کے حوالے سے کیا کہا ہے؟

جواب: جان اسٹورٹ مل جو کہ ایک بڑا دانشور تھا اس کا قول اس مضمون میں نقل ہوا ہے کہ ایک خراب اور ظالم وخود مختار حکومت بھی اس عوام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اگر اس میں اپنی مدد آپ اور شخصی اصلاح و ترقی کا جذبہ موجود ہو۔ اگر کسی عوام میں اپنی مدد آپ اور شخصی اصلاح و ترقی کا جذبہ موجود نہ ہو تو اسے پستی وانحطاط کے گڑھوں میں دھکیلنے کے لیے کسی ظالم وجابر حکومت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ شخصی اصلاح اور شخصی ترقی کا جذبہ نہ ہونا ہی اس کے لیے ظالم وجابر حکومت کے مترادف ہے۔

(ب) **حصہ نظم:**

مندرجہ ذیل نظمیہ اشعار کو پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے تین کے جوابات لکھیں: **(3 x 4 = 12)**

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام
کرتا ہے سفر قافلہ راحت و آرام
وہ دشت نوردی و غم و صدمہ و آلام
منزل پہ ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

سوالات:

i. دوسرے مصرعے کا مرکزی خیال لکھیے۔

جواب: اس شعر میں شاعر مسافرت اور دیارِ غیر کی تکالیف کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انسان حالتِ سفر میں صحراؤں کی خاک چھانتا ہے، دکھ، درد اور بے آرامی برداشت کرنے کے بعد منزل پر پہنچ جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے آرام وسکون نہیں ملتا کیونکہ وہ ابھی بھی اپنے وطن اور اپنے گھر سے دور ہوتا ہے۔

ii. اس بند کو کس ہیئت میں لکھا گیا ہے واضح کریں؟

جواب: یہ بند "مسدس" کی ہیئت میں تخلیق ہوا ہے کیونکہ یہ بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس بند کی ہیئت مسدس ترکیب بند ہے۔

iii. پہلے شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

جواب: پہلے شعر میں "صنعتِ تضاد" استعمال ہوئی ہے کیونکہ اس میں صبح وشام دو متضاد الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

iv. مسافر کو منزل پر پہنچنے پر نیند آجاتی ہے اگر نہیں۔ تو کیوں؟

جواب: مسافر منزل پر پہنچ کر بھی سکون کی نیند نہیں سو پاتا کیونکہ لمحہ لمحہ اسے اپنا وطن اور اپنا گھر یاد آتا ہے۔

یا

خوشبو سے اُن گلوں کی ہوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سر فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ
خورشید بن گئے طبقے ارض پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذروں نے خاک کے

سوالات:

i. اس بند کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

جواب: یہ بند میر انیس کے ایک مرثیے کا حصہ ہے جس میں شاعر کہتا ہے کہ اہل بیت کی آمد سے میدان کربلا میں ہر سو پھولوں کے کھلنے سے رنگینی اور شگفتگی چھا گئی۔ مناظرِ فطرت اپنے حسن کے جوبن پر نظر آتے تھے ہر شے فخر کر رہی تھی کہ ایسی مبارک ہستیوں نے یہاں قدم رنجہ فرمایا ہے۔

ii. "پہنچا سر فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ" اس مصرعے کا مفہوم لکھیں۔

جواب: اہل بیت کی آمدِ کربلا سے یہ ویرانہ گل و گلزار بن گیا تھا۔ ہر شے کا سر غرور سے بلند ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ پہاڑ جو پہلے ہی بہت بلند ہوتے ہیں اس منظر نامے میں اپنی خوش قسمتی پر اتنا ناز کرنے لگے کہ ان کی چوٹیاں بلند ہو کر آسمان سے باتیں کرتی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔

iii. پہلے شعر میں کون سی صنعت استعمال ہوئی ہے؟

جواب: پہلے شعر میں صنعتِ تکرار استعمال ہوئی ہے کیونکہ اس کے پہلے مصرعے میں لفظ "باغ" کی تکرار ہے۔

iv. "دریا نے بھی حبابوں کے روشن کئے چراغ" سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: صحرائے کربلا کی ریت کا ہر ذرہ اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے چمک رہا تھا یہاں تک کہ دریا میں بننے والے پانی کے بلبلے بھی سورج کی روشنی میں چمک چمک کر اپنی خوش قسمتی کا اظہار کر رہے تھے۔

(ج) **حصہ غزل:**

مندرجہ ذیل غزلیہ اشعار کو پڑھ کر آخر میں دیے گئے سوالات میں سے کسی ایک کا جواب لکھیں: **(1 x 4 = 4)**

i. افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خواب صبح — اور آفتاب عمر لبِ بام آگیا

ii. پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے — رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

سوالات:

i. نالوں کے چڑھ جانے سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

جواب: نالوں کے چڑھ جانے سے مراد یہ ہے کہ شاعر یہاں اپنے غم و اندوہ اور نالہ و فریاد کی شدت کو بیان کر رہا ہے، ویسے تو شاعر کی آنکھیں غموں کی زیادتی کی بدولت مسلسل اشک باری کرتی ہیں لیکن اگر کبھی آنسوؤں کی روانی تھوڑی دیر کے لیے رکتی ہے تو اس کے بعد اور شدت سے آنکھوں سے اشک جاری ہو جاتے ہیں۔

ii. پہلے شعر کا مرکزی خیال لکھیں۔

جواب: اس شعر میں شاعر انسان کی غفلت شعاری کی وجہ سے زندگی کے رائیگاں گزر جانے کے احساس کا اظہار کرتا ہے۔ انسان تمام عمر سستی، کاہلی اور عیش پرستی میں مست پڑا رہتا ہے اور پھر جب وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہوتا ہے تو اس وقت تک اس کا آفتابِ عمر ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے۔ زندگی کے اس موڑ پر اس کے دامن میں افسوس اور پچھتاوے کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا۔

(د) **حصہ قواعد:**

کوئی سے دو سوالوں کے جوابات لکھیں: **(2 x 4 = 8)**

i. شہر آشوب کس نظم کو کہتے ہیں؟

جواب: لغوی اعتبار سے "شہر آشوب" کے معنی کسی جگہ فتنہ و فساد برپا ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں وہ نظم جس میں کسی شہر اور شہر کے لوگوں کے بُرے حالات کا ذکر کیا گیا ہو شہر آشوب کہلاتی ہے۔ علاوہ ازیں شہر آشوب اس طویل نظم کو کہتے ہیں جس میں ان تکالیف و مصائب کا بیان ہو جو کسی سیاسی انقلاب کے باعث کسی شہر یا ملک پر نازل ہوئی ہوں۔ اردو میں شہر آشوب تخلیق کرنے والے شعراء میں شاکرؔ، ناجیؔ، سوداؔ، میرؔ، داغ اور سالکؔ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

ii. معاون فعل کی وضاحت کریں اور کوئی سے دو مصادر کو بطور معاون فعل جملوں میں استعمال کریں۔

جواب: معاون فعل کو امدادی فعل بھی کہا جاتا ہے۔ وہ فعل جو جملے میں کسی دوسرے فعل کی مدد کرے معاون فعل کہلاتا ہے۔ یہ عام طور پر جملے میں اصل فعل کی تکمیل یا تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اکثر اوقات اصل فعل اور معاون فعل جملے میں اکٹھے استعمال ہوتے ہیں۔ معاون فعل کبھی اپنے معنی دیتا ہے اور کبھی نہیں دیتا۔ عام طور پر مصادر کو بطور امدادی فعل جملوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً

آنا: بارش کے بعد سبزہ اُگ آیا۔

ڈالنا: اس نے مجھ سے ہر قسم کا تعلق توڑ ڈالا۔

iii. تشبیہ اور استعارا کی ایک ایک مثال دے کر دونوں میں فرق واضح کریں۔

جواب: کسی مشترک خوبی کی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے مثلاًماں کہتی ہے "وہ میرا چاند سا بیٹا آیا" یہاں بیٹے کو چاند سے تشبیہ دی گئی ہے۔ استعارے کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی لفظ اپنے حقیقی معنی کی بجائے اپنے مجازی معنی میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنی میں تشبیہ کا تعلق ہو۔ مثلاً ماں کہتی ہے کہ "وہ میرا چاند آیا" اس میں بیٹے کے لیے چاند کا استعارہ تراشا گیا ہے۔ ان مثالوں کی روشنی میں تشبیہ اور استعارے کا فرق یہ ہے کہ تشبیہ حقیقی جب کہ استعارہ مجازی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے جب کہ استعارہ میں مشبہ کو مشبہ بہ بنالیا جاتا ہے۔ تشبیہ میں حروف کے ذریعے مانند قرار دیا جاتا ہے جب کہ استعارے میں حروف کے بغیر ہو بہو تسلیم کیا جاتا ہے۔ تشبیہ کے ارکان کی تعداد پانچ جب کہ استعارے کے ارکان تین ہوتے ہیں۔

حصہ سوم (کل نمبر 32)

سوال نمبر3: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پیراگراف کی تشریح کریں: (6)

الف۔ صحت میں علاج کی سہولتوں اور ورزش اور محنت کے علاوہ کچھ دخل خوراک کا بھی ہے۔ چینی روغن جوش نہیں کھاتے، سادہ خوراک کھاتے ہیں۔ یہ رواج ہمارے ہاں کا ہے کہ جب تک کسی چیز کے تمام اجزاء کو جن میں وٹامن یا دوسری غذائیتیں ہونے کا خطرہ ہو، پوری طرح ضائع نہ کر دیا جائے مزا نہیں آتا۔ خیر اس مسئلے پر ہم زیادہ زور نہیں دینا چاہتے کیونکہ بہت سے ڈاکٹر، حکیم ہمارے حلقہ احباب میں ہیں ان کی خوشحالی پر آنچ آنے سے ہم سے خوش نہ ہوں گے تاہم گھروں کی اور کوچوں و بازاروں کی صفائی ہمیں بھی پسند ہے۔ وہاں کسی کو اپنے گھر یا گلی میں جھاڑو دینے میں عذر نہیں۔ ریل گاڑی تک کی دھلائی ہر روز ہوتی ہے۔

جواب: تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے صحت کے لیے خوراک اور ورزش کے فوائد کو بیان کیا ہے اس نے اس سلسلے میں ہماری عوام اور چینی باشندوں کے رویوں کا موازنہ کرتے ہوئے ہلکے پھلکے مزاح اور طنز سے بھی کام لیا ہے وہ کہتا ہے کہ تندرستی اور صحت مندی کے لیے علاج کی سہولتوں کے ساتھ ساتھ ورزش اور خوراک کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ ہمارے مقابلے میں چینی باشندے سادہ خوراک کھاتے ہیں اور مرغن غذاؤں سے پرہیز کرتے ہیں جب کہ ہم کسی چیز کے تمام اجزا جن میں وٹامن اور دوسری غذائیتوں کو کھانا پکاتے ہوئے پوری طرح ضائع نہ کر دیں ہمیں چین نہیں آتا ہے اور نہ ہی مزا آتا ہے۔ مصنف ان باتوں کو کنایہ اور طنزیہ انداز میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اپنی عوام کے اس رویے پر ہم زیادہ زور نہیں دینا چاہتے کیونکہ اس سے ہمارے حکیم اور ڈاکٹر دوست ناراض ہو جائیں گے اور ان کے کاروبار کو نقصان پہنچے گا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر لوگ اس طرح کی مضرِ صحت غذاؤں سے پرہیز کریں گے تو وہ بیمار نہیں ہوں گے اور اگر بیمار نہیں ہوں گے تو حکیموں کے پاس علاج کے لیے نہیں جائیں گے جس سے ان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا اور ان کی خوشحالی پر آنچ آئے گی اس طرح وہ ہم سے ناراض بھی ہو سکتے ہیں۔ چین اور ہمارے ملک کا تقابل کرتے ہوئے مصنف مزید کہتا ہے کہ جس طرح چینی باشندے اپنے گھروں، گلیوں اور بازاروں کو صاف رکھتے ہیں اسی طرح انہیں صاف رکھنا ہمیں بھی بہت پسند ہے۔ چین میں کوئی بھی اپنے گھر اور گلی میں جھاڑو دینے میں شرم محسوس نہیں کرتا، وہاں ریل گاڑیوں اور بسوں کی دھلائی ہر روز ہوتی ہے جب کہ ہم لوگ اتنی صفائی پسند نہیں ہیں خاص طور پر گلیوں اور گھر سے باہر کی جگہوں کو صاف کرنے میں شرم اور عار محسوس کرتے ہیں اسی لیے ہمارے ہاں صفائی کا معیار حد درجہ ناقص ہے اور گھر کے باہر گلیوں بازاروں میں جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر دکھائی دیتے ہیں۔

ب۔ وطن عزیز بھی اسی طرح کے پیچیدہ حالات سے دوچار ہے جس کے باعث ترقی کی رفتار سست سے سست تر ہوتی جا رہی ہے جس سے عوام معیار زندگی کو بلند کرنے میں مشکلات درپیش ہیں کسی بھی ملک کے عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے خوراک، رہائش، تعلیم، طبی سہولتوں اور دیگر اشیاء کا

مناسب مقدار میں میسر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ قومی نقطہ نظر سے بہتر زندگی کے لیے قوم کے ہر فرد کو اس کی ضروریات اور سہولیات کا میسر ہونا ناگزیر ہے جتنے کم افراد کو یہ سہولیات میسر ہوں گی اس قوم کا معیار زندگی اتنا ہی کم ہو گا۔

جواب: تشریح:

اس پیراگراف میں مصنف نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ آج وطنِ عزیز کو مشکل اور پیچیدہ حالات درپیش ہیں جن کی وجہ سے ترقی کی رفتار نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان حالات کی وجہ سے عوام کا معیارِ زندگی روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے بہتر خوراک، رہائش، تعلیم، طبی سہولتیں اور دیگر اشیا کا مناسب مقدار میں میسر ہونا ضروری ہے۔ قومی نقطہ نگاہ سے حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ قوم کے ہر فرد کو ان کی ضروریات کے مطابق ان سہولیات کے پہنچانے کو یقینی بنائے، لیکن کسی بھی حکومت کا یہ خواب ملک میں آبادی کے بڑھتے ہوئے طوفان اور بے روزگاری کے سیلاب کی وجہ سے کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پاتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وطن عزیز میں آبادی کے بڑھنے اور ملکی وسائل میں شدید عدم توازن پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کی بنیادی سہولتیں بھی تمام عوام تک نہیں پہنچ پاتیں۔ اسی لیے عوام کا معیار زندگی ہمیشہ کی طرح آج بھی پست اور زوال پذیر ہے۔ لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ماحول کو صاف رکھا جائے، آبادی کے بڑھتے ہوئے عفریت کو کنٹرول کیا جائے، تعلیم اور صحت کی سہولیات با آسانی میسر ہوں، خواتین کو ان کا جائز مقام حاصل ہو، ہر کسی کو ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں اور قانون سب کے لیے برابر ہو۔ اس طرح سے وطنِ عزیز کی ترقی ممکن ہے اور عوام کے معیار زندگی کو بھی بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر4: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک نظمیہ جزو کی آسان لفظوں میں تشریح کریں: (7)

الف۔ رخِ انور کا ترے دھیان رہے بعدِ فنا — میرے ہمراہ چلے راہِ عدم میں مشعل

صفِ محشر میں ترے ساتھ ہو تیرا مدّاح — ہاتھ میں ہو یہی مستانہ قصیدہ، یہ غزل

جواب: تشریح:

پہلے شعر میں شاعر کہتا ہے کہ میری یہ آرزو ہے کہ جب تک زندہ رہوں میرا دھیان صرف اور صرف آپؐ کی ذات اقدس کی طرف رہے اور جب موت آئے تو راہِ عدم کے تاریک راستوں میں آپؐ کا رخِ انور ایک مشعل کی مانند میری رہنمائی کرے یعنی مجھے قبر کے اندھیروں میں آپؐ کے تصور کی وجہ سے روشنی میسر آجائے گی اور سہارا مل جائے گا۔ اس طرح آپؐ کے روشن چہرے اور مبارک خیال کی بدولت مجھے راہِ عدم میں کسی قسم کا خوف وڈر نہیں ہو گا اور میں آسانی سے سفر آخرت کے تمام مراحل طے کر لوں گا۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اگر ہم زندگی میں رسول اکرمؐ سے اُن کی محبت کے اہل ہوں گے تو آخرت کے سفر میں قبر کے مراحل میں وحشت قبر سے اور عالم برزخ میں عذابِ آخرت سے نجات حاصل کر لیں گے۔ قبر میں فرشتے آکر ہم سے سوالات کریں گے ان سوالات میں ایک سوال ختمی مرتبت کے بارے میں بھی ہو گا اگر ہم نے وہاں پر اپنے پیارے نبیؐ کی شناخت کا سوال درست دیا تو ہمیں محمدؐ کے اُمتی کی حیثیت سے آپؐ کے چہرۂ مبارک کے انوار کی زیارت کرائی جائے گی جس سے موت کے اس کٹھن سفر میں ہماری مشکلات آسان ہو جائیں گی اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہماری مغفرت کا توشۂ آخرت بھی میسر آجائے گا۔

دوسرے شعر میں شاعر اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ روز محشر جب حشر کے میدان میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا تو اے میرے محبوب رسول اکرمؐ میں آپؐ کے ساتھ آپؐ کے چاہنے والوں کی صف میں کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں یہ مستانہ قصیدہ اور یہ غزل ہو جس کی وجہ سے مجھے آپ کے محبّوں کی صف میں جگہ ملے۔ شاعر نے اپنے اس نعتیہ کلام کو قصیدہ اور غزل اس لیے کہا ہے کہ قصیدے سے مراد آپ کی تعریف اور توصیف کے اشعار ہیں جب کہ یہ نعت، غزل کی ہیئت میں تخلیق ہوئی ہے۔ شاعر کا خیال یہ ہے کہ میدانِ حشر وہ جگہ ہے جہاں کوئی کسی کا آشنا و مددگار نہیں ہو گا صرف آپؐ کی ذاتِ اقدس ہی اپنے چاہنے والوں کی شفاعت فرمائے گی۔ ایسی صورت میں میری نعتیہ شاعری جو میں نے رسول اکرمؐ کی محبت سے سرشار ہو کر تخلیق کی ہے، یہی مستانہ قصیدہ میری شفاعت اور سرخروئی کا سامان بن جائے گا۔ الغرض شاعر نے تمام عمر محمد مصطفیؐ کی مدح سرائی کی ہے۔ خود بھی حضرت محمدؐ کی شان بیان کی ہے اور لوگوں کو بھی ان کی صفات کے ذریعے آپؐ کی پیروی کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ کی ذات اقدس ہی اس کائنات کا مرکز و محور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل بننے کے لیے ہمیں رسول اللہ کی محبت و اطاعت کا حق ہر حال میں ادا کرنا ہو گا تب ہی ہم آخرت میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

ب۔ دُکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے — منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے

ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹوں کو نکالے — ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے

درماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی — تھک کر بھی کبھی بیٹھے، تو اُٹھاتا نہیں کوئی

جواب: تشریح:

اس بند میں شاعر نے مسافرت کے مصائب و آلام کو بیان کیا ہے۔ یہ بند ہیئت کے اعتبار سے مسدس کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔ شاعر کہتا ہے غربت اور مسافرت کے دکھ درد صرف وہی جانتا ہے جو کبھی ان حالات سے گزرا ہو۔ چلتے چلتے اور سفر کرتے کرتے پاؤں تھک جاتے ہیں۔ اگر سفر میدان خارزار اور دشت و بیاباں کا ہو تو چلتے چلتے پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں ایسی صورت میں نہ آرام میسر آتا ہے اور نہ کسی پل چین نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ منزل پر پہنچنا بھی ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ چلتے چلتے پاؤں میں چھالے تو پہلے ہی پڑے ہوئے تھے اس پر یہ مصیبت اور زیادہ اُس وقت ہو جاتی ہے جب دشت خارزار میں چلتے چلتے پاؤں میں کانٹے بھی چبھ جاتے ہیں۔ اگر کسی جگہ بیٹھ کر پاؤں کے ان کانٹوں کو نکالنے لگو تو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں قافلے سے جدا ہو کر بچھڑ نہ جائیں اور ایسی صورت میں منزل تک پہنچنا اور مشکل و دشوار ہو جائے گا۔ شاعر کہتا ہے کہ دیار غیر کے اس سفر میں کوئی آشنا نہیں ملتا اور نہ ہی کوئی ہمدرد و معین دور دور تک دکھائی دیتا ہے اس لیے ہم مصیبت کے ماروں کا ایسی حالت میں کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا۔ اگر کہیں تھک کر بیٹھ جائیں تو کوئی ہمیں سہارا دے کر اٹھانے والا بھی نہیں آتا۔ الغرض شاعر اس بند میں مسافرت اور غربت کی مشکلات کو بیان کرتے ہوئے انسان کی بے بسی اور لاچاری کی حالت بیان کرتا ہے۔

سوال نمبر5: مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک غزلیہ جزو کی تشریح کیجیے: (3+3+3=9)

الف: ناگہ چمن میں جب وہ گل اندام آگیا — گل کو شکست رنگ کا پیغام آگیا
اٹھا جو صبح خواب سے وہ مستِ پُر خمار — خورشید کف کے بیچ لیے جام آگیا
افسوس ہے کہ ہم تو رہے مستِ خواب صبح — اور آفتاب عمر لب بام آگیا

جواب: شعر نمبر1 کی تشریح:

اس شعر میں شاعر حسن محبوب کی خوبی کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ گل اندام محبوب جب باغ میں آجاتا ہے تو گویا پھولوں کو شکستِ رنگ کا پیغام مل جاتا ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ باغ میں محبوب کے آنے سے پہلے پھولوں کے رنگ ہی سے حسن و دلکشی قائم تھی اور باغ کے حسن و رنگینی کا باعث بھی یہی تھا۔ جو بھی ان پھولوں کا نظارہ کرتا تھا ان کے حسن کے ہی گن گانے لگتا تھا تاہم یہ سب اس وقت تک تھا جب تک کہ اس گل بدن محبوب نے باغ میں قدم نہیں رکھا تھا جونہی وہ محبوب باغ میں آیا سب کے سب گلوں کے سحر سے آزاد ہو گئے اور باغ کی ہر شے حسنِ محبوب کے طلسم میں گرفتار ہو گئی بقول شاعر:

ے وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا — پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

گویا اس شعر میں بھی شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے آتے ہی پھولوں کا رنگ اُڑ گیا اور ان کی روایتی دلکشی اور رعنائی قائم نہ رہی بلکہ جس طرح سورج کے سامنے چراغ کی روشنی کچھ نہیں اسی طرح محبوب کے رخِ روشن کے سامنے پھولوں کے رنگوں، دلکشی و رعنائی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ بقول شاعر:

ے پھر وہ سوئے چمن آتا ہے خدا خیر کرے — رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہواداروں کا

شعر نمبر2 کی تشریح:

اس شعر میں شاعر نے صبح کے وقت محبوب کے نیند سے بیدار ہونے کے منظر کو بیان کیا ہے۔ شاعر نے صبح کے حسین منظر کو بیان کرتے ہوئے اسے نیند سے بیدار ہونے والے محبوب کے حسن کے حضور پیش کیے جانے والے ایک نذرانے سے تعبیر کیا ہے۔ ایک تو صبح کے طلوع ہونے کا یہ حسین منظر اپنے جوبن پر ہوتا ہے اور دوسرے محبوب جیسی حسین ہستی خواب سے بیدار ہو رہی ہو تو یوں سمجھنا چاہیے کہ محبوب نہیں بیدار ہو رہا بلکہ حسن و رعنائی کی ایک قیامت ہے جو اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ نمودار ہو رہی ہے۔ ایسے میں اس حسین اور دلکش منظر سے ساری کائنات جذب و مستی کی کیفیت میں ڈوب جاتی ہے۔

شاعر نے اسی حوالے سے اس شعر میں صنعتِ حسن تعلیل استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ نیند کے خمار میں ڈوبا ہوا جب وہ نازنین بیدار ہوا تو خورشید بھی ایک جام لیے ہوئے اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ طلوع آفتاب کے وقت شفق کی سرخی کو شاعر نے سرخ جام سے تعبیر کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب محبوب نیند کے نشے سے سرشار جاگنے لگا تو خورشید اس کے حضور آیا اور اس نے اسے سرخ شراب کا جام پیش کر دیا۔

شعر نمبر3 کی تشریح:

یہ شعر دنیا میں انسان کی غفلت شعاری اور تغافل کیشی کا اظہار یہ ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ انسان یہاں اس طرح خوابِ غفلت میں مست ہو کر پڑا رہتا

ہے کہ اسے وقت کے رائیگاں گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ جب اس کی آنکھ کھلتی ہے تو اس کی عمر کا سورج بہت آگے جا چکا ہوتا ہے۔ گویا غفلت میں سوئے ہوئے اس کی عمر بیت جاتی ہے اور جب اسے احساس ہوتا ہے تب عمل کا وقت اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے اور اس کا پچھتانا اس کے کسی کام نہیں آتا۔ مست خواب ہونا، دنیا کی نظروں میں غرق ہونا ہے کہ وقتی لذت کے لیے انسان اپنا دائمی نقصان کر بیٹھتا ہے اور اپنی زندگی کے حقیقی مقصد سے دور رہتا ہے۔ انسان دوسروں کو مرتے دیکھتا ہے، مگر عبرت نہیں پکڑتا یہاں تک کہ خود اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے تو احساس ہوتا ہے کہ کاش چند لمحے اور مل جائیں:

ے نفس نفس کو روتا ہے زندگی کے لیے ‏‏ پیامِ مرگ جب آتا ہے آدمی کے لیے

ب: سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو ‏‏ وہی رہ گئی، درمیان آتے آتے

میرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے ‏‏ چمن اُڑ گیا، آندھیاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ، یاروں سے کہہ دو ‏‏ کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

جواب: **شعر نمبر1 کی تشریح:**

غزال کے اس شعر میں شاعر نے قدیم غزل کے معاملاتِ عشق کو بیان کیا ہے کہ عاشق ہر لمحہ محبوب کے تصور میں کھویا رہتا ہے اور اپنے محبوب کے دیدار کے لیے اور اس سے ملاقات کے لیے تڑپتا رہتا ہے۔ اس کے دل و دماغ میں خیالات کا ایک طوفان برپا رہتا ہے کہ جب وہ محبوب سے ملاقات کا شرف حاصل کرے گا تو اسے اپنے دل کی بات کہے گا اور اپنے حالات سے آگاہ کرے گا کہ کس طرح اس کے وصال کی آرزو میں اس کے فراق میں لمحہ لمحہ جاں کنی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر وقت گزارتا ہے لیکن جب ایسا وقت آتا ہے اور محبوب اس کے روبرو آتا ہے تو اس پر جمال یار اور محبوب کی موجودگی کی وجہ سے ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اس کے ہونٹ گویا سِل جاتے ہیں اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ عاشق ایسے موقع پر دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہو کر اپنے دل کی بات اور دل کا حال محبوب کے آگے بیان ہی نہیں کر پاتا۔ بقول شاعر:

ے دکھائی دیے یوں کہ بے خود کیا ‏‏ ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے

اس شعر کا ایک پہلو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عاشق محبوب سے ہمکلام ہونے سے پہلے سوچتا ہے کہ گفتگو کا آغاز پہلے عمومی باتوں سے کرے گا اور جب درمیان آئے گا تو اپنے دل کی اصل بات یعنی اظہار عشق کرے گا لیکن درمیان آتے آتے ہی وقت ختم ہو جاتا ہے اور وہ محبوب کے روبرو اصل بات اس کے گوش گزار نہیں کر پاتا۔

شعر نمبر2 کی تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنی کم مائیگی اور بے وقتی کو بیان کرتا ہے کہ میرا آشیانہ تو بہت کم حیثیت تھا وہ تو صرف چار تنکوں سے بنا ہوا تھا جب ہوا چلی تو باد مخالف نے میرا مختصر سا آشیانہ تو بہت دور کی بات ہے پورے چمن کو ہی تہس نہس کر دیا جب کہ ابھی اصل طوفان تو آنا باقی تھا۔ گویا شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جب ہواؤں کے رخ بدل جاتے ہیں اور تقدیر اپنا رخ بدل لیتی ہے تو قسمت کی خرابی بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں کرتی بلکہ بُرے حالات کا سیلاب ہر شے کو اپنے بہاؤ میں خس و خاشاک کی طرح بہالے جاتا ہے۔ بقول شاعر:

ے آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا ‏‏ حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں

درج بالا شعر میں شاعر میر دردؔ نے نادر شاہ کے حملے کے بعد دلی کے اجڑنے اور انسانوں کی تباہی و بربادی کی منظر کشی کی ہے۔ متذکرہ تشریح طلب شعر میں بھی شاعر نے 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد خون خرابے اور انسانی جانوں کے ضیاع کی تصویر کشی کی ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی اسی دور میں اس موضوع کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

ے قسمت میں قید لکھی تھی فصل بہار میں ‏‏ بلبل کو باغباں سے نہ صیاد سے گلہ

شعر نمبر3 کی تشریح:

اس شعر میں اردو زبان کی انفرادیت اور اہمیت کو بیان کیا ہے کہ اردو زبان اپنے اندر لسانیات کا ایک خوب صورت نظام رکھتی ہے۔ اس کی بنیادوں میں ہند اسلامی تہذیب و تمدن کی آب یاری ہے۔ اس روزمرہ، محاورے ضرب الامثال، تشبیہات، استعارات گویا کہ علم بدیع ہو یا علم بیان؛ ہر انداز، اسلوب اور زاویہ اردو زبان کا انوکھا ہے۔ یہی وہ انفرادیت ہے جو اردو زبان کو ہندوستان کی دیگر زبانوں پہ برتری عطا کرتی ہے۔ اس لیے کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ اردو زبان کے تمام رموز و نکات اور فلسفے سے واقف ہو گیا ہے۔ ایک مدت لگ جاتی ہے تب کہیں جا کر ایک صاحب علم یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اب وہ اردو زبان کی الف ب سے واقف ہو چکا ہے۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں کہ اردو زبان کھیل نہیں ہے۔ ہم نے تو اس دشت کی سیاحی میں ایک عمر گزار دی تب کہیں جا کر اردو زبان کے چمن سے چند خوب صورت کلیاں چننے کے قابل ہوئے ہیں۔

سوال نمبر6: دو دوستوں کے درمیان مکالمہ لکھیے جس میں شاپنگ بیگ کے بارے میں گفتگو ہو؟ (5)

جواب: دو دوستوں کے مابین شاپنگ بیگ کے بارے میں مکالمہ

حمید اور احمد دو دوست ہیں چھٹی کے ایک روز دونوں کی ملاقات ہوئی اور دونوں کے مابین شاپنگ بیگ کے بارے میں کچھ اس طرح مکالمہ پیش آیا۔

حمید: (صبح سویرے بازار سے سبزیاں اٹھائے واپس آتے ہوئے)
السلام علیکم! احمد، سنائیے کیسے مزاج ہیں۔

احمد: وعلیکم السلام جناب! میں بالکل ٹھیک ہوں، اپنا بتائیے، آج آپ کا سودا سلف شاپنگ بیگ کی بجائے کپڑے کے تھیلے میں دکھائی دے رہا ہے۔

حمید: ہاں یار! دراصل حکومت نے اچانک شاپنگ بیگ کے استعمال پر پابندی لگادی ہے۔ اسی وجہ سے پورے بازار میں بھی کھلبلی مچی ہوئی ہے۔

احمد: واہ بھئی! خدا کا شکر ہے کہ کسی نے اس جانب بھی محکمہ ماحولیاتی آلودگی کی توجہ مبذول کرائی۔ اب کم از کم ہمارا ملک بھی زمینی اور فضائی و آبی آلودگی کی طرف توجہ دینے والے ملکوں میں شامل ہو جائے گا۔

حمید: ارے احمد! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں حکومت کے اس فوری فیصلے نے تو آپ جیسے ذود پشیماں لوگوں کے خیالات کو یکسر بدل دیا کہ لمحے بھر میں آپ شاپنگ بیگز کے تمام تر فوائد ہی بھلا بیٹھے۔

احمد: حمید بھائی! یہ بات سائنسی تجربات سے ثابت ہے کہ عصر حاضر میں شاپنگ بیگز آب و ہوا اور آبی زندگی کے لیے حد درجہ نقصان دہ ہیں کیا آپ اس بات کے انکار میں کوئی دلیل دے سکتے ہیں؟

حمید: ہاں کیوں نہیں، ایک نہیں بہت سی دلیلیں ہیں۔ پہلے تو آپ ذرا سائنسی لیبارٹری سے باہر نکل کر حقیقی دنیا میں قدم رکھیں تو آپ کو احساس ہو گا کہ فی زمانہ قوم کے متوسط اور نچلے طبقے کی ایک کثیر تعداد شاپنگ بیگ کے کاروبار سے وابستہ ہے اگر ان پر پابندی لگا دی گئی تو یہ تمام لوگ بے روزگار ہو کر سڑک پر آجائیں گے۔

احمد: ارے بھائی! فی الحال تو ہمارا مقصد اپنے ملک کی عوام کو شاپنگ بیگز کے مضر اثرات سے بچانا ہے، کاروبار اور مال و متاع تو خدا کی دین ہے ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو وہ سو دروازے کھول دیتا ہے۔

حمید: احمد بھائی! آپ ہر بات کو مذہبی رنگ دے دیتے ہیں۔ حقیقی دنیا میں واپس آئیں اور دیکھیں کہ شاپنگ بیگ سے عام آدمی کو کتنی سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس میں اشیاء اچھی بھی لگتی ہیں اور اپنائیت کا احساس بھی باقی رہتا ہے۔

احمد: حمید صاحب! شاپنگ بیگ کے اس معمولی فائدے کے عوض آپ سالانہ تقریباً دس لاکھ مخلوقات کی جان لے لیتے ہیں اس کا حساب کون دے گا۔

حمید: (ہنستے ہوئے) خیر، اس کائنات کی تمام مخلوقات ویسے بھی انسانوں کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں۔

احمد: یہ تو آپ خدا کی عظیم ترین نعمت یعنی "جان" کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔

حمید: آپ یہ بھی تو دیکھیے کہ پلاسٹک کوٹنگ کے ذریعے ہر شے باحفاظت ایک ملک سے دوسرے ملک باآسانی پہنچ جاتی ہے۔

احمد: اس کا واحد حل یہ ہے کہ ہر ملک و قوم نامیاتی طرز زندگی کی طرف مائل ہو تاکہ دنیا کو ہر قسم کی مصنوعی پلاسٹک کی اشیاء سے چھٹکارہ حاصل ہو جائے۔

حمید: ایسا کرنا قدرے مشکل ہے۔ آپ خود بتائیں کہ کیا موجودہ دور میں موبائل فون اور لیپ ٹاپ کے نقصانات سے بچا جاسکتا ہے۔

احمد: حمید بھائی! میری بات سمجھنے کی کوشش کریں کہ پلاسٹک بیگز کو ری سائیکل کر کے دوبارہ استعمال کے قابل نہیں بنایا جاسکتا۔ جب کہ موبائل فون اور لیپ ٹاپ کا غلط استعمال نقصان دہ ہے۔ اس طرح تو ہر سائنسی ایجاد کا کثرت سے اور غلط استعمال پوری دنیا کے انسانوں کے لیے بے حد نقصان دہ ہے۔

حمید: (آہ بھرتے ہوئے) مجھے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ آپ کی باتوں میں دم ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ شاپنگ بیگ کا استعمال نہ صرف صحت پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے بلکہ یہ پیسے کا بھی ضیاع ہے۔

احمد: شکر ہے میری باتوں سے آپ کے خیالات میں مثبت تبدیلی آئی۔

حمید: باتوں باتوں میں سبزی گھر پہنچانے میں دیری ہو گئی، گھر پر امی میری راہ دیکھ رہی ہوں گی۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ خدا آپ پر اپنی رحمتوں کے سائے قائم رکھے۔ اللہ حافظ

احمد: اللہ حافظ

سوال نمبر7: آپ کے علاقے میں چوری کی وارداتیں بڑھ رہی ہیں۔ اخبار کے مدیر کے نام ان کے متعلق ایک رپورٹ تحریر کریں۔ (5)

جواب: رپورٹ نویسی:

عنوان: اخبار کے مدیر کے نام، چوری کی بڑھتی ہوئی وارداتوں کے بارے میں رپورٹ

جناب مدیرِ اعلیٰ، روزنامہ ا۔ب۔ج۔

السلام علیکم

محترم جناب مدیرِ اعلیٰ صاحب! میں اسلام آباد کے ایک مقامی کالج میں انٹرمیڈیٹ کا طالب علم ہوں۔ آج میں آپ کے توسط سے ایک اہم بات اربابِ اقتدار تک پہنچانا چاہتا ہوں جس سے آج کل ہمارے شہر کی عوام شدید مشکلات اور خوف وہراس کا شکار ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ ایک سال سے ہمارے شہر میں چوری، ڈکیتی اور رہزنی کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے شہریوں کے جان ومال کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ان وارداتوں کی روک تھام میں مقامی پولیس بالکل بے بس اور لاچار نظر آتی ہے۔ ظاہری طور پر تو وہ بھاگ دوڑ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن نتائج کے اعتبار سے کوئی مثبت اثرات مرتب نہیں ہوئے۔

اس سال کے گزشتہ دو مہینوں میں متذکرہ بالا جرائم میں ہوش ربا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ مقامی پولیس اسٹیشن کے اعداد وشمار کے مطابق گزشتہ سال کی نسبت امسال ان وارداتوں میں 125 فیصد اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ ان وارداتوں کے نتیجے میں مقامی علاقہ مکینوں کو تقریباً 12 کروڑ روپے کا نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ مختلف جرائم میں عام چوری کی وارداتیں، ڈاکازنی اور موٹر سائیکل وموبائل فون چھیننے جیسے اسٹریٹ کرائم بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بینک لوٹنے اور اغوا کاری کی دو وارداتوں کی ایف آئی آر بھی درج کی گئی ہیں۔

درج بالا وارداتوں کی روک تھام میں پولیس کی کارکردگی صفر سے بھی نیچے دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پولیس کا محکمہ ان جرائم کے تدارک میں بالکل ناکام ہو چکا ہے۔ اس سال کے گزشتہ دو ماہ میں شہر بھر میں تقریباً 200 وارداتیں ہوئی ہیں جن میں صرف 20 لوگوں کو اپنا چوری شدہ مال واپس مل سکا ہے۔ یہ وارداتیں اب معمول کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان کی وجوہات میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، پولیس کی لاپرواہی، ڈبل سواری کی پابندی ختم کرنا اور اچھے گھرانوں کے نوجوانوں کی بے راہ روی جیسے عوامل شامل ہیں۔ جرائم پیشہ گروہ نوجوان لڑکوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہلا پھُسلا کر اپنے گروہ میں شامل ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ پولیس ان جرائم پیشہ لوگوں سے بھتہ وصول کرتی ہے اور ان کی پشت پناہی بھی کرتی ہے جس سے خصوصاً ایسے نوجوان بے راہ روی کا شکار ہو کر تباہی کے راستے پر چل نکلتے ہیں۔ اگر ان جرائم سے چھٹکارہ حاصل کرنا ہے تو خاص طور پر پولیس کو دیانت داری اور مستعدی کے ساتھ فرض شناسی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ اگر ان بڑھتے ہوئے جرائم پر بروقت قابو نہ پایا گیا تو جرائم کی یہ آگ پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے کر سب کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔

آپ سے گزارش ہے کہ آپ میری اس رپورٹ کے مندرجات کو اپنے اخبار میں شائع کریں تاکہ اربابِ حل وعقد کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنے شہر اور ملک کی خاطر فرض شناسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان جرائم کی روک تھام کو یقینی بنائیں۔

والسلام

خیر اندیش

ا۔ب۔ج

* * * * *